

نسط نمبر ۱

مولانا عبدالحق کیلانی

دین طریقت یا رہبانیت

ایک آفاقی مذہب

جسم اور روح کے اتصال کا نام زندگی ہے۔ ہر جاندار میں یہ دونوں چیزیں پائی جاتی ہیں لیکن انسان اور دوسرے جانداروں میں فرق یہ ہے کہ اسے عقل و شعور اور غیر و شریں تمیز کی صلاحیت سے بھی نوازا گیا ہے۔ اسی عقل و شعور کا کرشمہ ہے کہ ہر عقلمند انسان یہ سوچنے پر مجبور ہوتا ہے کہ وہ اس کائنات میں اپنا مقام متعین کرے کہ وہ کس حیثیت سے اس کائنات میں زندگی گزارتا ہے۔ اپنے مقام کی اسی تشخیص پر اس کی زندگی اور اعمال و افعال کا انحصار ہوتا ہے۔

لیکن انسان کی عقل محدود ہے۔ زندگی میں بے شمار ایسے مسائل سامنے آتے ہیں جن میں عقل اکثر بھٹک جاتی ہے۔ مثلاً اس کائنات کی ابتداء کیسے ہوئی؟ وہ دنیا میں کس حیثیت سے آیا ہے؟ مرنے کے بعد کیا روح بھی فنا ہو جائے گی؟ اور اگر ایسا نہیں تو پھر اس کی آئندہ زندگی کس طرح کی ہوگی؟ یہ ایسے سوالات ہیں جن کا عقل کی کسوٹی پر تجربہ و مشاہدہ نہیں کیا جاسکتا۔ پھر ہر انسان کی عقل کا معیار بھی الگ الگ ہے۔ کچھ لوگ تو ایسے ہیں جو ہر وقت اسی قسم کے سوالات پر غور و فکر کرنے میں منہمک رہتے ہیں۔ کچھ دوسرے ایسے بھی ہیں جنہیں صرف کھانے پینے اور سونے کے غرض ہوتی ہے ان مسائل کی طرف بھول کر بھی کبھی نہیں سوچتے۔ پھر یہ بات بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ انسان کی سوچ پر اس کے ماحول کی گہری چھاپ ہوتی ہے۔ لہذا یہ بھی ضروری نہیں کہ ایک محدود دائرہ میں ہر عقل مند کی عقل ایک ہی نتیجہ اخذ کرے۔

بلاشبہ دین کے انتخاب کے معاملہ میں عقل کو ایک مقام حاصل ہے۔ اس کے اصول و مبادیات کی جانچ اور تحقیق میں ہر انسان خود مختار ہے۔ چاہے تو اسے قبول کرے چاہے تو

رکھ دے۔ لیکن دین کے تمام مسائل اور اس کی فروعات کو عقل کے حوالے نہیں کیا گیا بلکہ خالق کائنات نے اپنے خاص فضل و کرم سے انبیاء پر وحی نازل فرما کر انسان کو کائنات میں اس کے صحیح مقام کی نشاندہی بھی کر دی ہے۔ بالفاظ دیگر کسی نبی تک پہنچنے کی حد تک تو انسان اپنی عقل سے کام لینے میں خود مختار رہے کسی نبی پر ایمان لانے کے بعد اسے یہ اختیار نہیں دیا گیا کہ اس کی ہر ہر جز کو اپنی عقل کی کسوٹی پر پرکھے بلکہ اب نبی کی رہنمائی ہی واجب ہوتی ہے اسی خیر کا نام دین ہے۔

اللہ نے جب انسان کو دنیا پر اتارا تو جہاں اس کی بھوک، پیاس اور خدا کا پیغام ہدایت منفی خواہشات کی تکمیل کے لیے خوراک، پانی اور اس کے جوڑے کا انتظام کیا وہاں اس کی روحانی اور اخلاقی تمناؤں کی تکمیل کے لیے ایک واضح نظام ہدایت بھی عطا فرمایا۔ چنانچہ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام جہاں پہلے انسان تھے جو دنیا میں تشریف لائے وہاں وہ پہلے نبی بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کی جنت میں رہائش اور وہاں سے نکلنے کا قصہ بیان کر کے آدم اور اولاد آدم سے یوں مخاطب ہوتے ہیں۔

فَاِمَّا يَنْتَهِبُكُمْ مِّنْهُ هُدًى مِّنْ يَّبْعَ هٰذَا اَمْ يَلَاخُوفٌ عَلَيْهِمْ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (۲۱)

پھر تمہیں میری طرف سے راہ ہدایت پہنچے گی۔ تو جو لوگ میری ہدایت کی پیروی کریں گے ان پر نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ ہی غمناک ہوں گے۔

پھر جس طرح انسان کو عقل و شعور سے نوازا گیا ہے۔ وجدان سے بھی سرفراز کیا گیا ہے جسے قلبی کیفیت بھی کہتے ہیں۔

بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کا عقل کی کسوٹی پر تجربہ و مشاہدہ نہیں کیا جاسکتا لیکن انسان کا دل اس بات پر شہادت دیتا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھیے کہ اللہ تعالیٰ نے موت کے بعد کی زندگی کے ثبوت میں عیند کو بطور تمثیل پیش کیا ہے کیونکہ ان دونوں میں بہت سی باتیں بطور مشترک پائی جاتی ہیں اور ساتھ ہی انسان کو یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ جو خدا انسان کو عیند کے بعد زندہ کر دیتا ہے وہ بھلا مرنے کے بعد زندگی کیوں نہیں عطا کر سکتا۔ یہ تمثیل عقل اور تجربہ کی کسوٹی پر پوری نہ اترنے کے باوجود انسان کے دل میں جاگزیں ہو جاتی ہے۔ اسی قلبی کیفیت کا نام وجدان ہے۔ وہی اسی میں عقل و شعور و وجدان دونوں کا خطاب کیا گیا ہے۔

نہا سب عالم میں جب بھی کبھی بگاڑ پیدا ہوا ہے انہی دو چیزوں — عقل اور وجدان — کے استعمال میں افراط و تفریط سے ہوا ہے۔ عقل نے جب وحی الہی میں بے جا تنقید و مخالفت کی اور اسے کلام اور فلسفہ کی سان پر چڑھایا تو اس سے کیا گل کھلے اور کتنے نئے فرقے وجود میں آئے۔ اس مضمون میں یہ تفصیل خارج از بحث ہے۔ مہر دست ہم اس بگاڑ کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو وجدان کے استعمال میں افراط اور تفریط سے پیدا ہوئے ہیں۔

تہم انبیاء پر جو مختلف ادوار و اوقات میں وحی نازل ہوتی رہی تو اس کے ایمان بالغیب اصول و مبادیات ہمیشہ ایک ہی رہے ہیں اور ان کا بنیادی تصور ”ایمان بالغیب“ ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ بن دیکھے خدا پر ایمان لانا اور یہ سمجھنا کہ وہی اس کائنات کا خالق و مالک اور رازق ہے اور وہ صرف ایک ہی ہستی ہو سکتی ہے۔

۲۔ بن دیکھے مرنے کے بعد کی زندگی، جنت اور دوزخ پر ایمان لانا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ ہر انسان کے مرنے کے بعد اس کے اچھے یا بُرے اعمال کی جزا و سزا ضرور ملے گی اور ان کے اعمال کے لحاظ سے ان کا ٹھکانا جنت یا دوزخ ہوگا۔

۳۔ بن دیکھے اس بات پر ایمان لانا کہ نبی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتہ نازل ہوتا ہے جو اللہ کی طرف سے بندوں کے لیے وحی یا پیام ہدایت لاتا ہے۔ اگرچہ نبی ان میں کا ہی ایک فرد ہوتا ہے۔

انسان اور دیگر موجودات میں دوسرا بنیادی فرق یہ ہے کہ انسان کے علاوہ باقی تمام موجودات اللہ کے تکوینی قوانین کی پابند ہیں۔ سورج، چاند، زمین، آسمان، پانی، آگ، ہوا یا بادل وغیرہ کے لیے جو طبعی قانون اللہ نے مقرر فرما دیے ہیں، کوئی چیز بھی سرِ توان سے تجاوز نہیں کر سکتی۔ لیکن انسان طبعی لحاظ سے تو تکوینی امور کا پابند ہے۔ وہ چاہے بھی تو بڑھاپے کے بعد جوانی واپس نہیں لاسکتا، نہ اپنی موت کو روک سکتا ہے۔ وہ کھانے پینے کے بغیر زندہ بھی نہیں رہ سکتا، یہ اور اس جیسے دوسرے بے شمار مسائل ایسے ہیں جن میں انسان مجبور محض اور تکوینی امور کے آگے بے بس ہوتا ہے لیکن خیر و شر میں سے کسی ایک کے انتخاب پر اسے کچھ اختیار بھی دیا گیا ہے۔ وحی الہی یا خدا کی طرف سے نازل شدہ ہدایت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان ایسا اختیار ہی اُمود میں بھی خود کو، دوسری تمام موجودات

کی طرح، خدا کی مشا و مرضی کے تابع بنا دے تاکہ اس کی ذات بھی کائنات سے ہم آہنگ ہو جائے۔ ایمان بالغیب اس معاملہ میں نہایت اہم کردار ادا کرتا ہے۔

خدا اگر چاہتا تو کائنات کی دوسری اشیاء کی طرح — انسان اور اپنے درمیان سے غیب کے یہ سارے پردے مٹا بھی سکتا تھا لیکن اس طرح انسان کی اطاعت اختیاری نہ رہتی بلکہ دوسری اشیاء کی طرح اضطراری قسم کی ہوتی اور انسان کی پیدائش اور اس دنیا کے دارالامتحان ہونے کا مقصد ہی فوت ہو جاتا۔ ایمان بالغیب اور وحی الہی کا فائدہ یہ ہے کہ وہ انسان کے مادی اور روحانی تقاضوں میں کچھ اس قسم کا حین امتزاج پیدا کر دیتا ہے جس پر عمل پیر ہو کر انسان روحانی منازل طے کرتا ہوا دنیا اور آخرت کی کامیابیوں اور کامرانیوں سے ہم کنار ہو جاتا ہے اور مرنے کے بعد وہ ان تمام چیزوں کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیتا ہے جن پر وہ مرنے سے پہلے بن دیکھے ایمان لایا تھا۔

تاریخ مذاہب کے مطالعہ سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ مذہب رہبانیت کی ابتدا میں جب بھی بگاڑ پیدا ہوا ہے تو اس کی ابتدا ہمیشہ مقدس اور نیک آرزوؤں سے ہوئی اور یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ اپنے لیے بھلائی کے تصور سے کبھی سیر نہیں ہوتا اور اس بھلائی کو جلد از جلد حاصل کرنے کی بھی کوشش کرتا ہے۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ انسان نے سوچا کہ جو باتیں ہم آخرت میں مشاہدہ کریں گے ہمیں کسی نہ کسی طرح ان چیزوں کا پورا یا تھوڑا بہت مشاہدہ اس دنیا میں بھی ہو جائے تو کیا ہی بہتر ہو گا۔ اس طرح اس نے ان کے غیب کے پردوں کو دور کرنے کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔ اس نے یہ بھی سوچا کہ اس راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ اس کا جسم اور اس کے مادی تقاضے ہیں۔ لہذا جب تک ان سے چھٹکارا حاصل نہ کیا جائے روحانی منازل طے کرنا ناممکن ہے۔ یہی فکر رہبانیت یا دین طریقت کی بنیاد ہے۔ ارشاد باری ہے۔

قَدْ هُبَانِیَّةً اِبْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنَا هَا عَلَیْهِمْ اِلَّا اُبْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ
فَمَارَعُوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَاتَّيْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ وَكَثِیْرٌ
مِّنْهُمْ فَنُفِقُوْنَ (۵۶)

اور انھوں نے لذات سے کنارہ کشی کی، خود ایک نئی بات نکالی جس کا ہم نے ان کو حکم نہیں دیا تھا مگر انھوں نے اسے اپنے خیال کے مطابق خدا کی خوشنودی حاصل

کرنے کے لیے آپ ہی ایسا کر لیا تھا۔ پھر جیسا اس کو نباہنا چاہیے تھا، نباہ بھی نہ سکے۔ پھر جو لوگ ان میں سے ایمان لائے ان کو ہم نے ان کا اجر دیا اور ان میں سے زیادہ نافرمان ہیں۔

مندرجہ بالا آیت سے اس دینِ طریقت کی بہت سی باتوں پر روشنی پڑتی ہے۔

۱۔ لذاتِ دنیا کو ترک کرنا وحی الہی کے مطابق نہیں بلکہ ایک بدعت ہے۔

۲۔ ان کے اپنے خیال کے مطابق وہ اللہ کی خوشنودی چاہتے تھے۔ حالانکہ اگر فی الواقع یہ خدا کی خوشنودی کا طریقہ ہوتا تو ضرور وحی میں مذکور ہوتا تاہم ان کا ابتدائی ارادہ نیکی و خیر پر مچھل تھا۔

۳۔ نصاریٰ سے بہت پہلے یہود نے بھی یہ روش اختیار کر لی تھی۔

۴۔ پھر یہ لوگ اپنے ابتدائی نیک ارادوں پر قائم نہ رہے اور مختلف اہول پر چھٹکنے لگے۔

۵۔ یہ کئی گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ تو ایمان پر قائم رہا اسے اس کا اجر ملے گا۔ لیکن زیادہ تر یہ لوگ نافرمان ہی تھے۔

ان لوگوں کا یہ نظریہ تھا کہ روحانیت کے اس راستے میں حاملِ سنگ گراں دنیوی تعلقات سے بیزاری ہمارا مادی جسم ہے لہذا اس جسم کو مضمل اور مرکز و بنانے کے لیے طرح طرح کے عذاب دیے جانے لگے۔ کم سے کم کھانا پینا جس سے صرف روح اور جسم کا تعلق باقی رہے اور کم نہ کم سونا، دنیوی لذات، جن سے فائدہ اٹھانے کا خدا نے انھیں حق دیا تھا اس سے کنارہ کشی کرنا، شدید سردی میں ننگے بدن باہرات گزارنا، کہیں شدید گرمی میں کسی ایک ہی جگہ کھڑے رہنا، چپ کا روزہ رکھنا، کیچڑ میں پٹے رہنا اور اسی طرح کی کئی دوسری صورتیں مادی جسم کو کمزور کرنے اور اذیت دینے کے لیے ایجاد کر لی تھیں۔ یعنی کہ تاریخ میں ایسے واقعات بھی ملتے ہیں کہ یہ راہب اپنے جسم پر خود زخم کر لیتے۔ پھر اس میں کیڑے پڑ جاتے۔ اور اگر کوئی کیڑا اگر جاتا تو اٹھا کر اسے پھر اپنے جسم پر چھٹا دیتے اور کہتے کہ یہ جسم تمھاری خوراک ہے۔ تم اس سے کیوں محروم ہوتے ہو۔ گویا اپنی جان سے دشمنی ان کا پہلا اصول تھا۔ لہذا جسم کی تعذیب اور اس کے تقاضوں کی تکذیب کے ذریعے وہ اپنے

لے جیسے لوگ چہا ترک کی تعلیم دیتے ہیں ترکِ دنیا، ترکِ مقلی، ترکِ کل و زوم اور ترکِ خواہش نفس۔

جسم کو تحلیل کرنے میں مصروف ہو گئے۔

ان لوگوں کا دوسرا اقدام دنیا والوں سے قطع تعلق تھا۔ یہ لوگ اپنے لیے کوئی گوشہ تنہائی منتخب کر لیتے یا پھر کسی جنگل کی راہ لیتے۔ ان کے خیال کے مطابق ان کے رشتہ دار اور دوسرے معاشرتی تعلقات رکھنے والے دوست احباب بھی اس راہ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ تھے۔ لہذا دنیا و مافیہا سے الگ ہو کر کسی جنگل میں ایک کٹیا بنا کر گیان دھیان میں مصروف ہو جاتے۔ دنیوی علائق میں سے ان لوگوں کو سب سے زیادہ دشمنی عورت سے تھی۔ تاریخ میں ایسے دلہن و واقعات بھی ملتے ہیں کہ کوئی ماتا کی ماری ماں اپنے ایسے ہی راہب بیٹوں کو جنگل میں دیکھنے گئی لیکن بیٹیوں نے اس کی ملاقات سے انکار کر دیا۔ وہ انھیں صرف ایک نظر دیکھنے اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرنے کے لیے ترستی اور التجا میں کرتی رہی لیکن ان مشکل راہبوں نے اس کی التجا کو ذرہ بھر وقعت نہ دی اور اسے ناکام واپس آنا پڑا۔

بیوی کا معاملہ اس سے بھی زیادہ نازک تھا۔ کیونکہ نکاح کرنے اور بیوی کی موجودگی میں انسان پر بہت زیادہ معاشی اور معاشرتی ذمہ داریاں آ پڑتی ہیں۔ لہذا یہ لوگ متاہل زندگی سے سخت نفرت کرتے تھے۔ گوان کر رہبانیت کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہ دیا تھا تاہم انھیں رہبانیت کی زندگی کی فضیلت کے کچھ اشارے ضرور مل جاتے تھے۔ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود شادی نہیں کی، ان کی زندگی کے جن چند سالوں کے واقعات پر روشنی پڑتی ہے، وہ یہی ہے کہ انھوں نے تبلیغ کے سلسلہ میں گھوم پھر کر مجرذ زندگی گزار دی تھی۔ پھر عیسائیوں میں نکاح ثنائی کی بھی گنجائش نہ تھی اور یہودیوں نے رہبانیت کا تصور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ان چالیس دنوں سے لیا جو انھوں نے تورات مٹنے سے قبل کوہ طور کے دامن میں گوشہ نشینی کی حالت میں گزارے تھے۔

یہ تو یہود و نصاریٰ کی بات تھی۔ اب ہندوستان کی طرف آئیے۔ ہندومت کے راہنماؤں

لے اہل ہندو خدائی رہنمائی ملی تھی یا نہیں؟ اس سوال کے متعلق قرآن کریم سے اتنا جواب تو ملتا ہے کہ:

اِنَّ قَبْلَ اُمَمٍ اَلَا حَلَّاهُمْ فِيْهَا نَذِيْرٌ (۳۵)

اور کوئی امت نہیں مگر اس میں ہدایت کرنے والا گزر چکا ہے۔

لیکن یہ بات ہندوستانی مذہبی رہنماؤں کی واضح غلط فہمی یا بھسوں والوں سے کچھ (باقی اگلے صفحہ پر)

نے انسان کی زندگی کو تئیس سال قرار دیا اور اس کے چار حصے کیے۔ جس میں آخری چوتھا حصہ ۲۵ سال رہبانیت (گیان دھیان) کے لیے مختص کیے گئے تھے۔ اور بدھ مت، تو خالفشا اسی راہبانہ زندگی کی تعلیم دیتا ہے۔ اس مذہب کا بانی مہاتما بدھ — جو ایک مشہور شاہنشاہ تھا — نے دنیا کی بے ثباتی اور اس کے ہنگاموں سے راہ فرار اختیار کر کے راہبانہ زندگی بسر کی۔ تاہم اس کو وہ روشنی ملی جس کی تلاش میں وہ نکلا تھا۔ بعد ازاں اس نے ہندوؤں سے علیحدہ بدھ مت کی بنیاد ڈالی۔ اس مذہب کی تعلیم ہی یہ ہے کہ انسان کی مکتی یا نجات کی واحد صورت یہ ہے کہ وہ راہبانہ زندگی اختیار کرے۔ ایسے راہبوں کو وہ اپنی زبان میں بھکشو کہتے تھے۔

غیب کے پردے غیب کے جس قدر پردے ہٹانے کی ضرورت تھی وہ تو اللہ تعالیٰ نے خود ہی ہٹا دیے تھے۔ وحی کے ذریعہ تمام انبیاء کو یہ اطلاع دی جاتی رہی کہ اس کائنات کا خالق و مالک صرف ایک ہی مقدر رہتی ہو سکتی ہے جو تمام کائنات کا الہ اور مبود ہے باقی تمام مخلوق طمع فرماں اور عاجز بندے ہیں۔ وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ماضی کے حقائق کا بھی انکشاف کیا اور قیامت اور آخری زندگی کا بھی۔ جزاء و سزا کے قانون کا بھی اور یہ بھی کہ مرنے کے بعد انسان کے ساتھ کیا کچھ ہونے والا ہے۔ یہ سب غیب کی باتیں تھیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے خود ہی بتلا دیں۔ اور اس نظام کائنات، انسان اور خدا کے درمیان ایسے غیب کے پردے خود ہی اٹھا دیے تھے جن کی انسان کو دنیوی اور آخری زندگی میں کامیابی سے ہمکنار ہونے کی ضرورت تھی اور جن کے انکشاف میں انسان کی عقل یا وجدان گمراہ ہو سکتے تھے۔ اس سے زیادہ پردے اٹھانے سے چونکہ اس دارالامتحان کا نظام مختل ہو سکتا تھا لہذا اللہ تعالیٰ نے مصلحتاً ان پردوں کو قائم رکھا لہذا اس نے انبیاء کو صرف اتنا ہی علم غیب عنایت فرمایا جتنا انسان کی نجات کے لیے ضروری تھا۔

مگر چونکہ ایسے رہبان یا گیانی یا صوفی قسم کے لوگوں کا سب سے پہلا ہدف یہی غیب

(بقیہ صفحہ گزشتہ) نہیں کہا جاسکتا۔ پھر حضور اکرم کی تعلیمات اور شریعت کے علاوہ تمام انبیاء کی کتب میں چونکہ بیشتر سے رد و بدل ہوتا رہا ہے۔ لہذا ہم اس معاملہ میں حضور اکرم کے ارشاد کے مطابق نہ تو

کے پردے ہوتے ہیں لہذا اسلام میں ربانیت کو قطعاً ناجائز قرار دیا گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد ہے کہ :

لَا تَهْبِأَنَّ فِي الْإِسْلَامِ . اسلام میں ربانیت نہیں۔

لیکن ۳۱ کے باوجود مسلمانوں کا ایک طبقہ اس میدان میں گھس گیا۔ وہ بھی اس اہمباد زندگی کے جواز کے لیے یہ دلیل پیش کرنے لگے کہ حضور اکرم نے نبوت سے چند ماہ پیشتر غار حرا میں گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی اور وہیں آپ پر وحی نازل ہوئی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ زمانہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے کا تھا جو شریعت کا حصہ نہیں ہے۔ علاوہ ازیں جب آپ نے ترک ربانیت سے متعلق ایک واضح حکم دے دیا تو پھر اس کے بعد اس واقعہ کی کیا اہمیت باقی رہ جاتی ہے۔ پھر کچھ لوگوں نے زہد اور فقر کے متعلق آیات و احادیث کو غلط سلط معنی پہنائے اور ان صفات میں انتہا درجے کا غلو دکھائی دیا کہ کے ربانیت کی راہ ہموار کر لی۔

ان لوگوں کا طریق کار یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنا کلام علم توجہ اور علم استحضار روح طریق کار (سپیریٹوئلزم SPIRITUALISM) سے شروع کرتے ہیں۔ جس طرح ایک مسمریزم کا ماہر عامل معمول پر اپنی توجہ ڈال کر اس کی روح کو حاضر کرتا اور اس سے کئی طرح کی خبریں حاصل کرتا ہے یا ایک جن نکالنے والا آیات قرآنی یا جنت منتر پڑھ کر جنوں کو حاضر کرتا ہے اور ان کاموں کے لیے پہلے چمک کشی اور ریاضت کی جاتی ہے بعینہ یہی طریق ان لوگوں نے اختیار کیا۔ ایسے اعمال و افعال کے لیے تین چیزیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔

۱۔ پیکر محسوس، جو غیب کے پردہ میں نہ ہو، جیسے مسمریزم کرنے والے عامل کے سامنے معمول ہوتا ہے اور جن نکالنے والے پیر کے سامنے ملین۔

۲۔ توجہ خواہ یہ ظاہری آنکھ کی کشش سے ہو یا قلبی ہو جسے عرف عام میں توجہ، مراقبہ یا ہندی میں گیان دھیان کہتے ہیں اور

۳۔ عزم راسخ یا عقیدہ۔

پیکر محسوس خواہ کوئی جاندار شے ہو یا بے جان۔ جب اس کے متعلق کوئی عقیدہ قائم کر کے مراقبہ کیا جائے گا تو اس کے اثرات حسب بختگی عقیدہ مرتب ہونے شروع ہو جائیں گے ایسے اعمال و افعال سے جہاں انسان کے رویوں کو حکم کرے ان سے غیب کی خبریں

حاصل کیں وہاں ان سے جب ضرورت کام بھی لیا انسان کی اس طرح سے حاصل شدہ معلومات کو اسلامی تصوف کی اصطلاح میں کشف یا مکاشفہ کہا جاتا ہے۔

ریاضت، مجاہدہ، چمک کشتی اور مکاشفات کے ذریعہ انسان کو یہ بھی معلوم ہوا کہ اس روح کی دنیا (عالم ارواح) میں بے شمار قسم کی روہیں پائی جاتی ہیں جو غیر مرئی مخلوق ہیں۔ مثلاً فرشتے، جن، فوت شدہ انسانوں کی روہیں، نیک روہیں، شیطان اور خبیث روہیں سب اس عالم میں پائی جاتی ہیں۔ انسان نے اپنی پسند اور ضرورت کے مطابق ان روہوں کو قابو کرنے کے لیے کئی قسم کے اوداد اور جنتر منتر بھی دریافت کر لیے اور ان کو مسخر کر کے کئی قسم کی شعبہ بازیوں دکھانا شروع کیں۔ ایسی روہوں کو عام طور پر رجال الغیب کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ (جلدی ہے)

خریدار حضرات متوجہ ہوں

● بہت سے اجاب کی مدت خریداری اس شمارے کے بعد ختم ہو جائے گی۔ بطور اطلاع اس کے نام کرنے والے پرچے پر "آب کا چندہ ختم ہے" کی مہر لگا دی گئی ہے۔ اپنا پرچہ چیک کر لیں اور نوٹ فرمائیں کہ اس اطلاع کے بعد پندرہ دن کے اندر اندر آئندہ خریداری جاری رکھنے کی صورت میں سالانہ ذریعہ وصول بذریعہ معنی اگر ڈر روانہ فرمادیں یا اگلے ماہ کا شمارہ بذریعہ دی پی پی وصول کرنے کے لئے تیار رہیں۔ اور خدا نخواستہ آئندہ خریداری جاری نہ رکھنے کی صورت میں دفتر کو اطلاع دیں کہ وہی پی پی روانہ نہ کیا جائے۔

یاد رکھئے! دی پی پی واپس کرنا اخلاقی حرم ہے

● بعض اوقات تازہ پرچہ محفوظ رکھنے کی خاطر وہی پی پی کیٹ میں پرانا پرچہ ارسال کر دیا جاتا ہے، اور وہی پی پی وصول ہونے کے فوراً بعد تازہ پرچہ عام ڈاک سے روانہ کر دیا جاتا ہے لہذا اسے کسی بددیانتی پر محمول نہ کیا جائے۔ والسلام!

(منیر)